**فریدہ عثمان**
پی-ایچ-ڈی اسکالر، شعبہ اردو جامعہ پشاور۔
**ڈاکٹر روبینہ شاہین**
پروفیسر، شعبہ اردو جامعہ پشاور۔

# احمد ندیم قاسمی اور حیات اللہ انصاری کے افسانوں میں ماں کا تصور

**Fareeda Usman**
Ph.D Scholar Department of Urdu, Peshawar University.
**Dr. Rubina Shaheen**
Professor, Department of Urdu, Peshawar University.

## Concept of "Mother "in Short Stories of Ahmad Nadem Qasmi and Hayyat Ullah Ansari

The progressive movement holds a pronounced position in the field of Urdu Literature. This movement was majorly grounded on the enormous facets of communism, collectivism, politics and scientific mentality and has strongly affected Urdu Literature particularly the discipline of Novels and fiction. The area of fiction in Urdu Literature has been influenced by innumerable inclinations ranging from the inception of Urdu Literature extended to the early formative period. A manifesto of illustrious writers in the field of progressive Fiction contributed to Urdu Literature. The distinguished writers in the field of progressive, Hayattullah Ansari and Ahmad Nadeem Qasmi, depicted the collective issues, dilemmas, realities as well as social and moral complications, feudal exposition, and oppression of people in the contemporary society and the uprising reactions against those upheavals. The Stories written by the dominant literary figures embody characters that reflect the impregnable creative dispositions and tendencies of their creators. The mother has been revered and esteemed in the course of human history as a goddess. The role of the mother has been manifested as an absolute feminism voice. The Fiction writers associated with the Progressive Movement have portrayed all the shades of the role of a mother with regard to civilization and culture .Hayattullah Ansari portrayed mother as a

symbol in which human values breathe. Similarly, Ahmad Nadeem Qasmi paints the character of mother plunged in affection, dripping love and a natural passion of sincerity that has been cooked on a mild flame of self-sacrifice. This proposed study aims to unravel the immeasurable dimensions of the role of mother in the well-known literary works of the fiction writers. Similarly, this Study focuses to investigate the personal and artistic lives of the famous Fiction writers caused by the role of mother. The researcher also aims to unknot the impact of mothers in the creative journey of these Fiction writers.

**Key Words**: *Progressive, Urdu Literature, Politics, Scientific, Novels, Fiction, Ahmad Nadeem Qasmi.*

دنیا کے کسی بھی ادب کا مطالعہ کیا جائے، اس میں احساس کی گھلاوٹ، جذبات کی گرمی، تجربات کی پختگی، مشاہدات کی نیرنگی اور ممکنات کی بازگشت ضرور سنائی دے گی۔ ادب کا مطالعہ بذاتِ خود انسانی زندگی کا مطالعہ ہی ہے. یہ تاثر نثر و نظم دونوں میں یکساں طور پر موجود ہے۔ جس میں محبت، ہمدردی، ایثار، دکھ درد اور خوشی کے جذبات بیان کرتے ہوئے ادب کے تخلیق کار ہمارے سامنے پورے سماج کو بے نقاب کرتے ہیں۔ انسان اور کہانی کا رشتہ جتنا پرانا ہے اُتنا ہی عجیب ہے۔ معلوم نہیں کہ کیونکر انسان خود کو ان کہانیوں سے وابستہ رکھنے میں مسرت محسوس کرتا ہے لیکن یہ بجا طور پر ایک حقیقت ہے کہ انسان نے جب سے زمین پر قدم رکھا، تو زمین نے بالکل ایک ماں کی طرح اسے اپنی آغوش میں لیا۔ یوں اس کا رشتہ زمین سے پختہ تر ہوا۔

ادب انسانی زندگی کا عکاس ہے۔ جذباتی طور پر انسان بہت سارے افراد سے منسلک رہتا ہے۔ جس میں ماں کا رشتہ سب سے بڑا ہے، جو زندگی میں تحفظ کے لئے ازحد ضروری ہے۔ انسان نے عشق و محبت کا پہلا احساس ماں سے حاصل کیا۔ اس کے اظہار کے لئے ادب سب سے بڑا وسیلہ بنا۔ نظم و نثر میں بہترین تخلیقات پیش ہوئی۔ کہانی اور خاص کر افسانے میں ماں کے تصور (سگی و سوتیلی) کو بین اسطور رجحانات کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ اردو افسانے نگاروں میں پریم چند سے لے کر تا حال، نسوانی کرداروں اور خاص کر ماں کے کردار کو جذباتی وابستگی کے ساتھ تخلیق کیا گیا۔ معاشرتی و سماجی زندگی میں ان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ تہذیبی و تاریخی طور پر بھی ان کے حقوق و فرائض کو سامنے لایا گیا۔ ماں چاہے کسی بھی شعبہ سے وابستہ ہو، کسی بھی تہذیب کا حصہ ہو، اس کی محبت اور ممتا آفاقی ہے، البتہ معاشرتی و اقتصادی استحصال، رویوں میں تبدیلی کا مظہر ضرور بنتی ہیں۔

احمد ندیم قاسمی اور حیات اللہ انصاری کے افسانوں میں کئی پہلوؤں پر بحث کی جا سکتی ہیں۔ تاہم ماں کے تصور کے حوالے سے ان کے افسانوں میں تخلیقی کاوشوں کی بنیادی وجوہات ملتی ہیں۔ حیات اللہ انصاری کے افسانوں میں یہ تصور ایک عالمگیر تہذیبی روایت سے جڑا ہوا احساس ہے۔ ان کی ماں سوتیلی تھی۔ جن کے ساتھ انہوں نے بہت مشکل زندگی گزاری۔ البتہ ان کے نسوانی کردار کو پڑھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی چار سالوں کا احساس ساری زندگی ان کے ساتھ رہا۔

> ''میری ماں جب میں چار سال کا تھا انتقال کر گئی تھی اس وجہ سے مجھے کافی دنوں کبھی اس ننہیال اور کبھی اُس ننہیال رہنا پڑتا اس دور میں مجھے ایسے تجربات ہوئے جو ذہن پہ نقش ہو گئے''۔(۱)

حیات اللہ انصاری نے ماں کے تصور کو ان کے بغیر جیا۔ جبکہ احمد ندیم قاسمی بچپن میں والد کے انتقال کے بعد ماں سے ہی وابستہ رہیں۔ انہوں نے ہر قسم کی پناہ ماں کی ذات میں پائی۔ وہ خود لکھتے ہیں:

> ''جولائی ۱۹۳۹ء تک میری زندگی افلاس دکھ اور سکھ کے ایسے دائرے میں گزری جہاں قدم قدم پر میرے معصوم ذہن کو ہولناک شکستوں اور آرزوں کے گھناؤنے ملبے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوا''۔(۲)

والد کے انتقال کے بعد ماں ہی ان کی زندگی کا سہارا تھی جن سے محبت اور اور والہانہ وابستگی کا اثر ان کی تخلیق میں جا بجا نظر آتا ہے۔

> ''میری زندگی پر سب سے عظیم اثر میری ماں کا ہے۔''(۳)

اور بقول خدیجہ مستور ندیم کبھی نہیں بھولتے کہ ان کی زندگی میں جو سب سے پہلے عورت آئی وہ ان کی ماں تھی اور ماں کے وجود سے انہیں عورت کی عظمت اور تقدس کے احساس کا سبق ملا۔(۴)

اہم بات یہ ہے کہ ان افسانہ نگاروں نے اس تصور کو اساطیری یا دیو مالائی نہیں رکھا، بلکہ ذاتی زندگی سے جو تصور اخذ کیا ان کو معاشرتی و عصری رجحانات میں پیش کیا۔

حیات اللہ انصاری ناول نگار، افسانہ نگار، صحافی، مجاہد آزادی اور سیاسی رہنما بھی تھے۔ انہوں نے زندگی کی تفسیر اور ترجمانی کی ہے۔ روایت کو اپنایا ہے۔ افسانوی زندگی کا اعلان آپ نے ۱۹۲۹ء میں ''بڈھا سود خوار'' کے نام سے کیا۔ آپ کے چار افسانوی مجموعہ شائع ہوئے۔

۱۔ انوکھی مصیبت ۱۹۳۹ء

۲۔ بھرے بازار میں ۱۹۵۶ء

۳۔ شکستہ کنگورے ۱۹۵۹ء

۴۔ ٹھکانہ ۱۹۹۱ء

انہوں نے زیادہ افسانے تحریر نہیں کئے۔ البتہ افسانوی ادب کے مختصر سرمائے نے ان کے فن کو امر کر دیا ہے۔ ان کے افسانوں میں فکر و تخیل کی گہرائی موجود ہے۔ ان کے موضوعات ہندوستان کے غریبوں اور بے کسوں کے مسائل ہیں۔ عورتوں پر ہونے والے مظالم، بیروزگاری کا دکھ، ہجرت و فسادات، روایت سے انحراف، سامراجیت کے خلاف انسانی رویے ان کے پیش نظر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عورت کے کردار کو حقیقی معاشرے سے جوڑے رکھا۔

> "حیات اللہ انصاری کے افسانے حقیقت نگاری کے بہترین مرقعے ہیں۔ آخری کوشش، ڈھائی سیر آٹا، سہارے کی تلاش، کمزور پودا، بھرے بازار میں، ماں بیٹا، موزوں کا کارخانہ، مبارک ہو، اور نکسیر ان کے فن کے چند نادر نمونے ہیں"۔ (۵)

حیات اللہ انصاری کے افسانوں میں ماں کا تصور تہذیب و روایت کی علامت ہے وہ جو عورت ہو کر بھی مشکل فرائض کی تکمیل کرتی ہے اس کے سامنے کئی مشکلات ہوتے ہیں وہ سماجی رویوں کو بھی دیکھتی ہیں۔ وہ امراو شرفاء طبقہ کی جنسی عیاشیوں کا نشانہ بھی بنتی ہے۔ ہجرت و فسادات کا المیہ قومی سطح کے بعد سب سے بڑا المیہ ایک ماں کا بھی تھا وہ ان حالات کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔

سماج میں ٹھکرایا جانے والا طبقہ چاہے رقاصہ کا ہو یا طوائف کا، وہ ماں کے روپ میں پاکیزہ رہتی ہیں۔ افسانہ "بارہ برس کے بعد" کی ماہ پارہ ایک رقاصہ ایک ماں اور بیوی ہے، وہ اپنی زندگی میں یہ تینوں کردار بارہ برس تک مکمل جانفشانی سے نبھاتی ہے، تھیٹر میں رقص کرتی ہے۔ گھر میں بچیوں کی پرورش کرتی ہے۔ شوہر کی خواہش کے مطابق اس کے حج کے لئے پیسے جمع کرتی ہے۔ ماہ پارہ جب اس کو حج پر جانے کے لئے پیسے دیتی ہے تو شہاب (ماہ پارہ کا شوہر) حج پر جانے کے بجائے وطن واپس چلا جاتا ہے اور وہاں پر ایک چھوٹی سی لڑکی سے شادی کر لیتا ہے۔ شہاب کا والد 'ماہ پارہ' کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ ماپارہ دو بچیوں کو لے کر دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اس

افسانے میں ماں کا تصور مظلومیت اور شرفاء کی جنسی عیاشیوں کا مظہر ہے۔' ماہ پارہ 'ایک بے بس ماں ہے جو کہ ایک جانب عورت ہونے کے ناطے مجبوریوں کو پورا کرنے کے لیے سماجی اعتبار سے اپنا مقام گراتی ہے، اور دوسری جانب بحیثیتِ ماں ہر قسم کے مسائل کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے۔ مصنف نے ایک نکتہ یہ بھی اٹھایا ہے، کہ رقاصہ کو دین کے حوالے سے بے دین قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ اس اعتبار سے اس کی سوچ و فکر اور خلوص حج اکبر ہے۔ یوں ہمارا سماج ایک عورت کے کردار پر پیشے کے لحاظ سے تو بدکرداری کا مہر لگا دیتا ہے، تاہم اس کے اندر کی ماں، بہن، بیوی ہر رشتے کی پاکیزگی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

ماں کے تصور کو معاشی استحصال کے طور پر ان کے افسانے آخری کوشش میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جو اس حوالے سے ان کا نمائندہ افسانہ کہلایا جاتا ہے، اس لئے کہ معاشی زوال فطری رشتوں میں بھی خود غرضی پیدا کر دیتا ہے۔ بقول خلیل الرحمن اعظمی:

> ''یہ افسانہ ایک طرح سے پریم چند کے آخری افسانے ''کفن'' کی ترقی یافتہ شکل ہے''۔(۶)

افسانے میں تین اہم کردار ہیں گھسیٹے، اس کی ماں اور بھائی، دنوں بھائی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے ماں سے بھیک منگواتے ہیں۔

> ''افسانے کی بنیادی علامات بوڑھی ماں کی ہے جو وسیلہ گداگری بن جاتی ہیں یہ تہذیب کی علامت بھی ہے۔ وحدت کی علامت بھی مقدس رشتوں کی علامت بھی اور دھرتی ماں کی علامت بھی''۔(۷)

افسانے کا بنیادی موضوع طبقاتی کشمکش اور انسانی کی مادیت پرستی ہے جو اس کو انسانیت کے معراج سے حیوانیت تک لے جاتی ہے۔ گھسیٹے شہری زندگی گزرنے کے بعد مادیت پرستی کی سوچ لے کر گاؤں واپس آتا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد صرف پیسوں کا حصول بن جاتا ہے۔ اپنے بھائی کو ساتھ ملا کر ماں سے گداگری کا کاروبار شروع کراتا ہے۔ افسانہ نگار بنیادی ایثار اور قربانی کے جذبے کو پیش کرنا چاہتا ہے جو کہ ماں کی ذات میں ممتا بن کر اس کو زندہ رکھتی ہے، اس کے باوجود کہ اس کے دونوں جوان بیٹے اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ماں کے تقدس کا استحصال کرتے ہیں اور اس کے وجود میں حرکت برائے نام ہے افسانے کے اختتام پر وہ دو بیٹوں کی لڑائی کا منظر دیکھ کر پوری قوت سے چیخنا چاہتی ہیں۔ افسانہ نگار ایک مقام پر ماضی کی جانب لوٹتا ہے یہی ماں تندرست اور

توانا ہوتی ہیں اور اپنے جسم کی ساری طاقت بچوں کی خدمت میں صرف کرنے کا جذبہ رکھتی ہے۔

''یہ وہی چوڑی چکلی تندرست اماں تھی۔ جو ماں اندھیرے سے دوپہر تک مسلسل تک چکی پیسا کرتی تھی۔ جسے دن رات یہی دھن سوار رہتی تھی کہ کس طرح گھر کی حالت سنبھل جائے۔ اس نے کیسا کیسا اپنے جی مارا۔ ذرا ذرا سی چیز کیلئے کیا ترستی رہی''۔ (۸)

ماں کا وجود زندگی کا سہارا ہے جو بوڑھی ہو کر بھی اولاد کے لیے برگدھ کا درخت رہتی ہے۔

''اس کی ایک طرف بھائی کی لاش تھی اور دوسری طرف ماں کی دونوں کے پہلو میں اس کی آخری کوشش کی بھی لاش تھی جب تک زندہ تھی بھیگ کا ٹھیکرا تھی۔ اس کی ہر خوشی پر اپنی خوشی قربان کر دیتی تھی''۔ (۹)

افسانہ ''ماں بیٹا'' ماں کے تصور کے لحاظ سے ان کا نمائندہ افسانہ ہے۔ افسانہ نگار نے فکری معنویت اور گہرائی سے آفاقی احساسات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے فن میں ٹھہراؤ اور گہرے تخیل نے انسانی لاشعور کے جذبوں کا کھوج لگایا۔ اور ثابت کیا کہ ماں کی ممتا ایک عالمگیر احساس ہے، یہ ہر قسم کی نسلی فرقہ بندیوں اور سماجی، معاشرتی قیود سے ماورا ہے۔ افسانے میں ماں کا کردار 'مومنہ' کا ہے جس کی بیٹی فسادات کی بھینٹ چڑھ کر اپنی عزت گنوا دیتی ہے اور مومنہ اس طوفان سے بچ کر پاکستان کی جانب آتی ہے ایک حویلی میں اس کو بھوکا پیاسا، رامو، مل جاتا ہے۔ اس کو دیکھ کر مومنہ کی ممتا جاگ اٹھتی ہے وہ اس نوزائیدہ کو اپنا دودھ پلاتی ہے۔ حقیقی ماں کے جس تصوّر کو انہوں نے محسوس کیا تھا اس افسانے میں اس کو کردار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ان کے ہاں عورت کا معاشرتی مقام کوئی بھی ہو چاہے وہ طوائف ہو، رقاصہ، ہو یا ایک پارسا، ہر جانب سے وہ محبتوں اور قربانیوں کا محور ہے۔ اس احساس کا اثر ان کے افسانوں میں اس قدر شدید ہے کہ انہوں نے اس محبت کو ہر عورت سے منسوب کیا۔ افسانہ ''ماں بیٹا'' کے ایک حصے میں جب رامو بیمار ہوتا ہے تو مومنہ کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اے میرے مالک تو رامو کو مجھ سے نہ چھین، اگر میری جان کے بدلے بھی اس کی جان بچ سکتی ہوں تو میں بابر کی طرح اسے شوق سے قربان کر دوں گی''۔ (۱۰)

ماں کی محبت کے اس آفاقی احساس کو عبد الماجد دریا آبادی ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

''افسانہ ''ماں بیٹا'' سب سے بڑا ہے۔ جو ۱۹۴۷ء کی خون ریز ہنگاموں اور ہولناک فسادات سے متعلق ہے اور یہی افسانہ فنکار کی بہترین کاوش کا بھی مظہر ہے، اس کے

بعض حصے اس درجہ مؤثر ہیں کہ سنگدل انسان بھی آنسوؤں کے بغیر نہیں پڑھ سکتا"۔ (۱۱)

افسانہ "ٹھکانا" میں ماں ایک ایسی عورت ہے جس کے پاس رہنے کو گھر نہیں، اس کے ساتھ اس کے بچے اور سسر رہتے ہیں یوں یہ کردار "رامپریا" رشتوں کے فرائض نبھاتی ہیں اور باغ میں سارا دن پانی دیتی ہیں، تاہم سماج میں اس کو قبول کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک بے بس عورت کی تصویر ہے جس کو مجبوریاں زندگی گزارنے پر آمادہ کرتی ہیں اور زندگی موت پر۔ اس افسانے میں واقعات کشمکش کی صورت میں جنم لیتے ہیں، افسانہ "بھرے بازار میں" میں " رکھی " بطور ایک عورت سماجی رویوں اور حوص پرستی کی بھینٹ جڑھتی ہے ایک ناجائز بچے کو جنم دے کر اس کو محتاجی اور بے بسی کی زندگی سے بچاتی ہے۔ اس دوران یہ کردار ماضی کی جانب پلٹتا ہے۔ اور اپنی ماں کی یاد اس کو ستانے لگتی ہیں۔

> "اس کی ماں دوپہر کو اس کیلیے گڑیاں بنانے لگی تھی اور شام کو پابندی سے نہلا کر صاف کپڑے پہناتی تھی۔---------- پھر اس کو اپنا بچہ یاد آیا جو بارہ دن ہوئے دو بجے رات کو ہوا تھا اور بیچارے نے ایک ہی بار ہاوں کہا تھا کہ دکھی نے اس کا منہ اس کی گردن اور اس کا سارا بدن اپنی ساڑی سے بھر دیا۔ اور وہ کوٹلی ایک گلی میں لے جا کر نالے کا منہ کھول کر اندر ڈال دی۔" (۱۲)

مجبوری و ناچاری کی یہ تصویر سماجی ناانصافیوں اور طبقاتی کشمکش کو سامنے لاتی ہے جس میں عورت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ امراء اور شرفاء طبقہ اس کے جسم کو تو نوچتا ہے تاہم اس کو عزت دینے کے لیے کوئی آمادہ نہیں ہوتا۔ ممتا کا تصور اور اس کا وجود ختم کرنا ایک ماں کے لیے زندگی کا سب سے کربناک لمحہ ہے۔

> "ان افسانوں میں شدت کرب، مایوسی، اضطراب، بے چینی کی کیفیت اور فضا اتنی گہری ہے کہ امید کا دیا بجھنے لگتا ہے اور آزاد ہندوستان میں کوڑوں کی طرح پھیلی بھوک، بیماری، غربت، بے روزگاری، بے بسی، بے چارگی، خوابوں کی کرچیاں بن کر دہن زخم کو اس طرح کشادہ کر دیتی ہیں کہ وہ ناسور کی طرح بہنے لگتا ہے لیکن انصاری صاحب کے یہاں محرومی کا شدید احساس چونکہ نقطۂ نظر کی تبدیلی کے بجائے فکر و فن

اور حقیقت نگاری کے راستے سے داخل ہوا ہے اس لیے ان کے افسانے تضاد سے محفوظ رہتے ہیں۔" (۱۳)

حیات اللہ انصاری نے اس کردار کو جامد نہیں رکھا، وہ افسانے کے پلاٹ سے وابستہ ہیں۔ ہر واقعہ کے ساتھ حرکت میں رہتی ہے مصنف نے اس کی نفسیاتی کیفیت کو اس قدر جامع انداز میں پیش کیا ہے کہ اس میں کوتاہی اور عیب نظر نہیں آتا۔ انہوں نے تخلیقی سطح پر حقیقت پسندی سے گریز نہیں کیا، اور نہ مثال بناکر پیش کیا، جس کی وجہ سے کردار میں تاثر اور دلکشی برقرار رہتی ہے۔ واقعات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ان کے فکر و عمل میں تبدیلی ان کو متحرک بناتی ہے۔ انہوں نے ماں کے کردار کو اس سطح پر رکھا ہے جہاں وہ زندگی کے حقائق اور مختلف پہلوؤں کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ نفسیاتی طور پر بھی انہوں نے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا۔

ان کے افسانوں میں ماں کا ثانوی کردار بھی کہانی کا مرکزی نکتہ معلوم ہوتا ہے افسانہ "بوڑھا سود خوار" میں انسان کی معاشی و معاشرتی استحصال کی کہانی ہے بوڑھا "سدھامل" بیٹی کی شادی کے لئے جہیز جمع کرنے کی دھن میں حال کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ اس قدر ادھیڑپن سے کام لیتا ہے کہ خود یا گھر کے کسی فرد کو طبیب تک کے پاس نہیں لے کر جاتا۔ اس کی بیوی جب شدید بیمار ہوتی ہے تو کو گھر پر ہی رکھتا ہے اور صبر و برداشت کا یہ پیکر اس کے ہر حکم کے اگے خاموش رہتی یے۔ ماں باپ دنوں قبیح رسموں کی بھینٹ چڑھتے ہیں اور زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ قربان کر جاتے ہیں۔

حیات اللہ انصاری کی طرح احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ماں کا تصور ذاتی و معاشرتی زندگی سے لیا گیا ہے بچپن میں والد سے محرومی ان کی زندگی کا بہت بڑا نقصان تھا۔ والد کے بعد ان کی ماں نے دنوں کردار نبھائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ والدہ کے لئے جذباتی لگاو رکھتے تھے۔
ان کی زندگی کے ابتدائی ایام کے متعلق محمد خالد اختر رقمطراز ہے:

> "باہر کی دنیا کی نامہربانی اور بے دردی نے اس دہکان نوجوان کے حساس دل کو بری طرح مجروح کیا۔ اپنی ماں کی محبت اور اپنے ستارے میں ایمان نے اسے انتہائی قدم اٹھانے سے روکا ہر خط میں وہ اپنی بوڑھی ماں کا ذکر ضرور کرتا جو اس کے نزدیک ساری دنیا کی عظیم ترین عورت تھی ندیم اپنی ماں کو حقیقت پوجتا تھا"۔ (۱۴)

ذاتی زندگی میں ماں سے والہانہ لگاؤ اور محبت کا عکس ہمیں ان کی تخلیقات میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے ماں

کے تصور سے زندگی کے تمام مثبت رجحانات کو اخذ کیا۔ ان کے افسانوں میں ماں کا تصور مشرقی تہذیب و تمدن کا علمبردار ہے۔ احمد ندیم قاسمی اپنی نظم "آخری فیصلہ" میں لکھتے ہیں:

میری ماں کا بڑھاپا۔۔۔۔۔۔

خلوص، اور محبت کا بار امانت

اٹھائے ہوئے

ڈوبتے چاندنی، سوکھتے گلشنوں کا تعطر!!!!(۱۵)

احمد ندیم قاسمی نے روایات کی پاسداری کے ساتھ اپنے خیالات اور جذبات کو دوسروں تک پہنچایا ہے۔ ان کے افسانوں میں کرداروں کو پڑھ کر آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے کردار اور خاص کر ماں سے ان کی ذاتی واقفیت کتنی ہے انہوں نے افسانوں میں کردار اور موضوعات کا انتخاب واقفیت کی بنیاد پر کیا۔ جس میں ان کا ذاتی تجربہ بھی شامل ہے۔ اپنے افسانوں میں ماں کے تصور کو اس معاشرے سے اخذ کیا جس سے وہ خود واقف ہے، اور جس کا انہوں نے خود گہرائی سے مشاہدہ کیا ہے۔

سگی ماں کی نسبت ان کے افسانوں میں سوتیلی ماں کا تصور الگ ہے۔ سوتیلی ماں کی نفسیات کو انہوں نے بطور عورت پیش کیا۔ افسانہ "پاوں کا کانٹا" اگرچہ بظاہر عام سی کہانی ہے تاہم سوتیلی ماں کا رویہ اور داخل و خارج کا رد عمل اس کہانی کو بہت خاص بناتا ہے، اس لئے کہ اس میں انسانی رویوں اور ذہنی محرکات کے نفسیاتی پہلو سامنے آجاتے ہیں، ایک فرد کی اندرونی بے چینی و اضطراب اس کے انفرادی فعل پر اثر انداز ہوتا ہے جو منفی رویوں کو جنم دیتا ہے۔

افسانے میں سوتیلی ماں اپنے سوتیلے بیٹے کریم کے ساتھ دوغلا رویہ اختیار رکھتی ہے، اس کو بارہا شرمندہ اور تکلیف میں دیکھ کر سکون محسوس کرتی ہے، جب کریم کے پاوں میں کانٹا چبھتا ہے تو اسکو تیز آواز میں رونے پر مزید مارتی ہے، یہاں احمد ندیم قاسمی فکری طور پر اس امر کو اہم قرار دیتے ہیں کہ عورت کی شخصیت میں عدم تکمیل کا عنصر اس کے رویے میں تبدیلی کی وجہ بنتا ہے، سوتیلی ماں کے اپنے بچے نہیں اور دوسرا اس کو یہ خوف کہ کریم کی ماں کی طرح اس کا شوہر اس کو بھی بھول جائے گا، یہ بنیادی نکات اس کے عمل میں بنیادی تبدیلی کی وجہ بنتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر

"اس کی بنیادی وجہ تو اس کی نسائی پندار اور صنفی غرور ہے" (۱۶)

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ماں کا تصور مکمل طور پر معاشرتی زندگی پر مشتمل ہے وہ زندگی جسے خود انہوں نے گزاری، خاندانی سلسلہ، روایات، دیہات، سادگی، محبت، قربانی، دوستی، رواداری سب ان کے ذاتی تجربات کی بنیاد پر ان کے افسانوں کا حصہ بنے ہیں۔ انہوں نے افسانوں کا موضوع زندگی کو بنایا اور ماں کے تصور سے نسل در نسل چلتے رشتوں، صداقتوں، درمندی اور قربانی کے احساسات کو اجاگر کیا۔

> ''جس طرح ہر دکھ کو اپنا دکھ بنالینا انسان (فنکار) کی سکت سے باہر ہے اسی طرح ہر زخم پر مرہم رکھنے کی کوشش بھی فن کے حق میں مضر ہے موضوعات کی اسی کثرت نے احمد ندیم قاسمی کے تقسیم سے پہلے کے لکھے ہوئے افسانوں میں ایک گم کردہ راہی کی کیفیت پیدا کر دی ہے''۔ (۱۷)

محبت کا احساس ان کی شخصیت میں والدہ ہی کی تربیت کے مرہون منت ہے، ان کی کہانیوں میں صداقت، سادگی، ایمان داری اور میانہ روی انسانی رویوں میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہے، اس کا زیادہ اثر ان کی شخصیت میں ماں کے زیر اثر آیا۔ ماں کے ساتھ یہی جذباتی اور والہانہ لگاؤ ہمیں ان کے افسانوں میں ملتا ہے۔ ان کے افسانوں کے نسوانی کردار طبقاتی کشمکش، شہری و دیہاتی ماحول کے رنگوں میں ملتے ہیں۔

> ''احمد شاہ بے حد خوش نصیب تھا جو اس گھر میں پیدا ہوئے کیونکہ اس گھر میں ایک بڑی بہادر اور محترم خاتون رہتی تھیں۔ یہ ماں زندگی کے مسرور راہوں کو دیکھ کر ہمت نہ ہارتی اور وہ پنڈی تلاش کرتی جن پر چل کر اپنے بچوں کی خوشیوں کے پھول چن لاتیں''۔ (۱۸)

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں کہانی حقیقی واقعات پر مبنی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ماں چاہے کسی بھی روپ میں ہو چاہے، وہ کسی بھی پیشے سے وابستہ ہو محبت اس کی فطرت میں ہے۔ افسانہ ''سناٹا'' کا مرکزی کردار انگریز پولیس میں بھرتی ہو کر ہانگ کانگ کے لئے جاتا ہے اور وہاں جاپانیوں کے ہاتھوں قیدی بن جاتا ہے ہانگ کانگ میں رہ کر وہ لاشعوری طور پر قدم قدم پر ماضی کی جانب پلٹتا ہے اور اپنی ماں کی یاد اس کو ستاتی ہے۔

> ''مجھے بار بار اپنی ماں یاد آتی تھی مگر دن کے ہنگاموں میں اس شعور سے بار بار کترا کر نکل جانے میں کامیاب ہو جاتا ہے البتہ رات کو یہ تصویر بمیرے ذہن میں اور میری آنکھوں سے چمٹ کر رہ جاتا اور میں تکیے میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح روتا رہتا۔''(۱۹)

اس افسانے میں جب ماں اس کردار کو ہانگ کانگ کے لئے رخصت کرتی ہے تو وہ منظر بغیر آنسوؤں کے نہیں پڑھا جا سکتا۔

''ماں نے مجھے ہانگ کانگ آنے سے روکا تھا اور کہا تھا کہ ہانگ کانگ تو وہاں ہیں جہاں سے آگے سنا ہے دھرتی ختم ہو جاتی ہے بیٹا تم دلی کلکتہ میں ہوتے تو میں تمہیں خوابوں میں تو ٹٹول لیتی یہ تم ہانگ کانگ جارہے ہو تمہارے میرے درمیان سمندر اور پہاڑ کھڑے ہو جائیں گے''۔(۲۰)

افسانے میں کہانی کا مرکزی کردار جب دیکھتا ہے کہ جاپانیوں نے بہت سے پنجابیوں کا قتل عام کیا۔ تو زندگی کی لالچ نے اس کو جینے پر ابھارا، اور اس نے جی حضوری شروع کر دی۔ ہانگ کانگ کے قریب ساحلی جزیروں میں سے ایک چھوٹے جزیرے پر سوڈیڑھ سو مچھیروں نے جاپانی سرکار کے خلاف محاذ بنایا تھا۔ ان کی سرکوبی کے لیے جاپانیوں کی وفادار فوج کے ساتھ چند مخلص قیدیوں کو بھی بھجوایا گیا۔ جس میں کہانی کا مرکزی کردار بھی شامل تھا وہاں پہنچ کر ان کو معلوم ہوا، کہ آبادی کے جوان مرد اور عورتیں مچھلیاں پکڑنے کے لیے سمندر کی جانب گئے ہیں، اور جھونپڑیوں میں صرف بوڑھی مائیں ہیں۔

کہانی کے اس حصے میں ان کے اور حیات اللہ انصاری کے افسانہ ماں بیٹا میں احساس یکساں ہو جاتا ہے۔ ممتا کا احساس آفاقی ہو جاتا ہے انسانیت کا نعرہ بن جاتا ہے۔ مرکزی کردار ایک جاپانی سے بٹن کی بھیک مانگتا ہے تو وہ جاپانی اس کے سینے کے بالوں کا گچھا جھٹکے سے توڑ کر اُس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے جس سے اُکھاڑے گئے بالوں کی جگہ پر خون کے نشانات اُبھرنے لگتے ہیں۔ ان خواتین میں ایک ماں جب اس کا بٹن دیکھتی ہے تو اسے اپنا بیٹا یاد آجاتا ہے۔

''وہ بولی میرا بیٹا جلدی میں تھا میں پکارتی رہی مگر اس نے میری ایک نہ سنی اس کی قمیض میں بھی تمہاری قمیض کی طرح ایک بٹن نہ تھا''۔(۲۱)

میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مصنف خود کہیں دور اپنی ماں کی گود کا سہارا لے بیٹھے ہیں۔

''اور میں ایک لمحے کے لیے ہیں یوں سمجھا جیسے چینی کی یہ پیالی ہوا میں ابھر کر الٹ گئی ہے اور میں پنجاب میں اپنی ماں کی گود میں گر پڑا ہوں''۔(۲۲)

ان افسانوں میں فدا ہونے والی مائیں ہیں، جو صبر، برداشت اور خاموشی کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں، ان کے نسوانی کرداروں میں ماں کا کردار قلب و جگر میں گرمی و حرارت اور آنکھوں میں جگمگاہٹ و ہلچل پیدا کر دیتا ہے

۔نتیجے کے طور پر قاری شریفانہ کیفیت سے دوچار رہتا ہے۔ماں سے لگاؤان کی ذاتی زندگی کا ایک توانا پہلو ہے،نفسیاتی طور پر وہ بچے جن کو باہر کی دنیا میں عدم تحفظ کا احساس رہتا ہے وہ ماں کی گود میں اپنی لیے امن پاتے ہیں۔ قاسمی کے والد کا انتقال ان کے بچپن میں ہوا،اسکے بعد انہوں نے ماں کو اپنے لیے ایک مضبوط حصار کے طور پر پایا۔ ان کا افسانہ ''بے گناہ'' میں مرکزی کردار ''رحمن'' کی والدہ کا انتقال بھی اس کے بچپن میں ہو جاتا ہے۔

''جس دن سے اس کی ماں نے دم توڑا تھا وہ کائنات کی ہر چیز سے نفرت کرنے لگا تھا خاموشی اس کی زندگی تھی اسے نہ احباب کی ضرورت تھی نہ عزیزوں کی۔اس کی جوان آنکھوں میں ایک خلا سا تھا اس کی ماں مر چکی تھی''۔ (۲۳)

رحمان اس امید پر رات کو گھر جاتا ہے کہ ماں کی جانب سے اس کو محبت بھرے الفاظ سننے کو ملیں گے،وہ بچوں کی طرح شرارتیں کرنا چاہتا ہے،تاہم اسی عدم تحفظ کا احساس اس کو خوف میں مبتلا رکھتا ہے،اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اگر ماں نہیں تو وہ کیوں ہے؟ وہ ماں کے بغیر زندگی کو بے معنی تصور کرتا ہے لیکن ماں کی وصیت کی خاطر وہ زندگی گزارتا ہے'' بیٹا میرے بعد جینا تو جینے کے قابل ہو''۔

ان کی شخصیت میں رجائیت کا پہلو بھی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں زندگی کی مثبت قدروں کی وکالت ملتی ہے۔ماں کے تصور کو انہوں نے ہمہ گیریت اور مقصدیت دونوں انداز میں پیش کیا۔ماں کے حوالے سے انہوں نے عورت پر ہونے والے مظالم پر اپنی آواز بلند کی۔بحیثیت عورت ماں سماجی و معاشرتی مسائل کا مقابلہ کرتی ہے افسانہ ''الحمدللہ ''میں مولوی ابل کی بیوی صرف بچے پیدا کرتی ہے اس کے علاوہ ساری زندگی شوہر کی خدمت میں گزار دیتی ہے۔زندگی کے حوالے سے وہ کسی بھی فیصلے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔

''سپاہی بیٹا''محبت کے نفسیاتی رجحانات کا حامل افسانہ ہے۔اس افسانے میں ایک ماں کا بیٹا مرتا ہے تاہم وہ اس کو زندہ تصور کرتی ہے۔اسے مکمل یقین ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا زندہ ہے جب انگریز سرکاری فوج میں بھرتی کیلئے نوجوانوں کا انتخاب کرتی ہے وہ فوج کے سامنے التجا کرتی ہے کہ اس کے بیٹے کو بھرتی کیا جائے۔

''یہ پاس ہی تو میرا گھروندہ ہے آپ چند قدم چلیں گے اور مجھ مسکین کا بھلا ہو جائے گا''۔ (۲۴)

اس دوران وہ سپاہیوں کو اپنے ساتھ روانہ کر دیتی ہے اور راستے میں ان کو اپنی زندگی کے واقعات تفصیل سے سناتی ہے۔بے بسی اور لاچاری کے وہ تمام لمحات جو اس کی دیوانگی کی وجہ بنے وہ بے ربط انداز میں بولتی جاتی ہے

اور سپاہیوں کو باور کراتی ہے کہ اب اس کے بیٹے سے وہ اس کے گھر میں ملیں گے۔

"زندگی میں مجھے کوئی ایسی برسات یاد نہیں جب ہمارے کوٹھے کی چھت نہ ٹپکی ہو اور جہاں جہاں سے ٹپکا لگا میں نے اس کے نیچے تانبے کے تھال اور تھالیاں اور کٹورے رکھے، ہر بوند پر میرا جمال اہاہاہاہو ہو پکار اٹھا۔" (۲۵)

جمال کی ماں اِس کورنگون کی جنگ میں ہار چکی تھی لیکن ایک ماں کا دل لے کر وہ اپنے بیٹے کو مردہ تصور ہی نہ کر سکی۔ اس کی یادوں کو لوگوں کے سامنے زبردستی رکھا، وہ اپنی معاشی بے بسی کے حالات کو تو قبول کر چکی تھی تاہم بیٹے کی جدائی اس کو آگاہی سے دیوانگی کی جانب کھینچ لیتی ہے۔

"اس کا چہرہ سرخ ہو گیا آنکھوں سے پانی بہ نکلا۔ سر کی چادر نیچے گر گئی الجھے ہوئے بال بے ترتیبی سے لٹکنے لگے اور وہ بڑے صاحب کی ناک کے پاس چٹکی بجاتے ہوئے وحشیانہ قہقہوں کے درمیان چیخ کی حد تک بولی، سبحان اللہ بھرتی کرنے چلے ہیں۔ ارے جاہلو میرا لال تو ایک مہینہ ہوا رنگون میں مارا جا چکا ہے"۔ (۲۶)

افسانہ "فالتو" میں ماں ایک معمولی عورت کے روپ میں سامنے آتی ہے تاہم اس میں جدوجہد اور توانائی کی قوت موجود رہتی ہے۔ وہ عام حالات سے سمجھوتہ نہیں کر پاتی۔ شادی کے چند دن بعد ہی اس کا بیٹا انہیں گھر سے نکال دیتا ہے تاہم وہ صبر کا مظاہرہ کرتی ہے اور اس کے باوجود بیٹے کی عزت کا خیال رکھتی ہے تا کہ کوئی اس پر انگلی نہ اٹھا سکے۔

ان کے افسانوں میں برائیوں کی جڑ شرفاء و امرا کی عیاشیاں ہیں۔ بظاہر اپنی عزت کا سودا کرنے والے خطاوار ہوتے ہیں تاہم اصل وجوہات بین السطور میں پوشیدہ ہوتے ہیں کہ اصل جرم معاشرہ اور سماج میں حق دار کو اس کے حق کے لیے آزمائش میں ڈالنا ہوتا ہے۔ سماج میں اونچ نیچ کا سلسلہ انسان کی پیدائش کے ساتھ شروع ہوا ، قدیم تہذیب میں بھی انسان مختلف فرقوں میں بٹا ملتا ہے، مہذب اور غیر مہذب ،مال متاع اور تنگ دست، ایسے سماج میں پسا ہوا طبقہ بھی مختلف نوعیت کے افکار رکھتا ہے۔ کچھ اپنی غربت پر قناعت کر لیتے ہیں کچھ شب و روز محنت کرتے ہیں اور کچھ ایسے پیشے اپناتے ہیں جن کو سماج گرا ہوا تصور کرتا ہے ،اس سے زیادہ تر عورتیں وابستہ ہوتی ہیں جس میں عصمت فروشی کا کاروبار سرفہرست ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانے میں ہر طبقے سے متعلق خواتین کو موضوع بنایا۔ماں کے تصور کے حوالے سے ان کے ہاں شدید رواداری ملتی ہے وہ طوائف رقاصہ یا جسم فروشی کی

صورت میں بھی وہ کو پاکیزہ رہتی ہے۔ ان کے خیال میں مجبوری میں اگر کوئی ماں ایسا پیشہ اپناتی ہے تو اس کی ذمہ داری معاشرے پر ہے جو حقیقت کا سامنا نہیں کر سکتا۔

افسانہ ''سفید گھوڑا'' میں بلقیس کی ماں دلالہ کے طور پر اپنی بیٹی کو شہر، شہر لے کر جاتی ہے۔ کہانی میں کرب کا منظر وہ ہوتا ہے جب الیاس ماں اور بیٹی دونوں سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں ان کا سفر ایک شہر سے دوسرے شہر تک جاری رہتا ہے کیونکہ گاہک ایک مرتبہ جنسی بھوک مٹانے کے بعد دوسری نئی عورت کا تقاضا کرتے ہیں۔ درج ذیل اقتباس ماں کے حوالے سے ان کے تصور کو واضح کرتا ہے۔

> ''عورت ایک دم بولنے لگی ذرا جلدی جاؤ، مشتاق بھائی کچھ تکہ کباب بھیج دوں اور دیکھو تیز مرچوں والے ہو جو مجھے بالکل رُلا دیں۔ مشتاق چلا گیا تو میں نے دیکھا کہ عورت کبابوں کے آنے سے پہلے ہی رو رہی ہیں۔
>
> اس نے لپک کر چٹخنی چڑھا دی۔ اور پلٹ کر میرے قدموں میں ڈھیر ہو گئی وہ اپنے بھیگے ہوئے گال میرے پاؤں سے رگڑنے لگی اور فریاد کرنے لگی۔
>
> میرا پردہ رکھ لیجئے صاحب میرا اور میری بیٹی کا پردہ خدا اور آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ میں کیا کروں صاحب میری ایک ہی بیٹی ہے مگر سب نئی بیٹی مانگتے ہیں میں اپنی بیٹی کو کیسے بدلوں صاحب اس لئے شہر بدل لیتی ہوں۔'' (۲۷)

ان کے افسانوں میں ماں کا کردار جہاں معاشرتی سماجی اور معاشی طور پر استحصال زدہ ہے وہاں پر جذباتی اور روحانی استحصال کا بھی شکار رہا ہے رانوں جو کہ فسانہ ''بین'' کا مرکزی کردار ہے ایک معصوم شریف اور خوبصورت لڑکی ہے، وہ ایک پیر کی جنسی ہوس کا نشانہ بن جاتی ہے۔ رانوں کی پرورش میں اس کی ماں کوئی کوتاہی نہیں برتی، اس کی شادی میں دل کھول کر خرچ کرتی ہے اور جب درگاہ پر وہ اپنے ہوش کھو بیٹھتی ہے تو اس کی والدہ بلند آواز سے رونے لگتی ہے اور پھر بار بار اس کو لینے آتی ہے۔ افسانے میں راوی کا کردار اس کی ماں کا ہے یہی وجہ ہے کہ اس گروپ میں فطری خالص پن اور اثر انگیزی شامل رہتی ہیں۔ اصل میں یہ افسانہ معاشرے کے منفی رجحان کا بہترین حوالہ ہے جو توہم پرستی کی صورت میں جنم لیتا ہے وہ کرداروں کے ذریعے معاشرے کی اندرونی دل دوزی کو سامنے لاتے ہیں۔

تقسیم ہند کے حوالے سے کئی افسانے لکھے جا چکے ہیں ان واقعات کو انہوں نے دیکھا اور محسوس بھی کیا۔

ایک حد تک تلخ حقیقت بھی یہ ہے، کہ ہجرت و فسادات کی بھینٹ جو رشتہ سب سے زیادہ چڑھا وہ ماں کا رشتہ ہے۔ اس لئے کہ بیٹا بیٹی اور اس سلسلے کے حوالے سے سارے رشتوں کی موت ماں کی موت تھی۔ ''کپاس کا پھول'' ''تقسیم ہند کے پس منظر میں تخلیق کیا گیا ہے، جس کا مرکزی کردار مائی تاجو اور راحتاں ثانوی کردار ہے۔ زندگی کی سختیوں نے ''مائی تاجو'' کو نرم دل بنا دیا تھا۔ جوانی میں اس کے ساتھ ایک پٹواری نے شادی کر لی تھی، جو بعد میں اس کے پیٹ میں بچہ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ بچے کی پیدائش کے بعد اس کا نام حسن رکھتی ہے۔ اکیلی عورت اس کی جسمانی نشوونما کے ساتھ اس کے لئے معاشرتی مقام کی فکر بھی کرتی ہیں۔ اس کا بیٹا دوسری جنگ عظیم میں مارا جاتا ہے۔ اس طرح وہ اکیلی رہ جاتی ہے۔ اب اس کی محبت کائنات کی وسعتوں پر چھا جاتی ہے، بیٹے کی موت کے بعد وہ چکی پیستی ہے، اور موت کے انتظار میں کفن پہلے سے سلوا کر راحتاں کو وصیت کرتی ہے کہ مرنے کے بعد یہی کفن مجھے پہنانا۔ اور جب ہندوستانی فوجیوں کے ہاتھوں راحتاں کی عزت پامال ہوتی ہے تو مائی تاجو اُسی کفن سے راحتاں کے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے، یوں یہ افسانہ آفاقی محبت کی جانب انسانیت کو لے کر جاتا ہے۔

> "کفن پر جگہ جگہ خون کے دھبے نمایاں ہونے لگے تھے، نوچیں کسوٹی ہوئی راحتاں کا جسم اپنا کرب کفن کو منتقل کر رہا تھا اور خاک پاک نے اس خون کیلئے جگہ خالی کر دیتی"۔(۲۸)

وہ انسانی مسائل کا حل تدبیر سے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو اس نکتے کا بھی بخوبی علم ہے کہ زندگی اپنی تمام تر خوبصورتی کے باوجود مسائل کی وجہ سے بدصورت ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں عورت کو زندگی کے مسائل سے نبرد آزما ہوتے دکھایا ہے۔

> "احمد ندیم قاسمی کے بارے میں اہم بات یہ ہے کہ وہ ترقی پسند ادیب ہے اس لیے وہ انسان کی تشریح اس کے ماحول سے کرتے ہیں وہ بنیادی طور پر رئیلسٹ افسانہ نویس ہے۔ اس لیے معاشرتی حقائق کی ترجمانی کو افسانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔" (۲۹)

حیات اللہ انصاری نے ماں کے تصور کو ذاتی زندگی سے ہٹ کر پیش کیا۔ سوتیلی ماں کا سلوک ان کے ساتھ ظالمانہ تھا جس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں خود اعتمادی کی کمی رہی، جب ان کے دوستوں نے ان پر مارکسزم کے نعرے کا الزام لگا کر ان کو حیات اللہ روٹی کا نام دیا تو اس کے بعد انہوں نے کافی عرصے تک افسانہ نہیں لکھا۔ ایک عرصہ کے بعد جب انہوں نے تخلیق کے لیے قلم اٹھایا تو آخری کوشش، ماں بیٹا، بارہ برس بعد، ٹھکانہ،

بھرے بازار میں، جیسے اعلیٰ افسانے تخلیق کیے۔ان افسانوں کے علاوہ اور بہت سارے افسانے جن میں انہوں نے عورت کو ایک پاکیزہ تصور میں پیش کیا۔ماں کا کردار ان کے افسانوں میں فسادات و ہجرت کے واقعات سے گزرتا ہے ،اس کا حوصلہ اور ممتا کا تصور آفاقی نوعیت کا ہوتا ہے وہ ممتا کے احساس میں کسی فرقے، مذہب، طبقاتی مقام، یا ذاتی انا کو مقدم نہیں رکھتے، بلکہ سماج میں گرے ہوئے پیشے کو اپنا کر بھی پاک رہتی ہیں۔انہوں نے سماج کے مکروہ چہرے کو بھی بے نقاب کیا ہے مومنہ فسادات میں اپنی بیٹی کی عزت کھو دیتی ہے تاہم وہ ایک ہندو بچے کو اپنا دودھ پلا کر اس کی زندگی بچاتی ہے، آخری کوشش میں گھسیسو کی ماں ٹولی میں رہتی ہے کہ کمزوری و بڑھاپے کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتی ہے تاہم بیٹوں کے درمیان لڑائی دیکھ کر اپنی ہمت سے زیادہ کوشش کرتی ہے،اس طرح ماں کے بہت سارے کردار ہیں جن کے ذریعے حیات اللہ انصاری نے ممتا اور مادیت پرستی کے مابین کشمکش پیش کی ہے اور اس تناظر میں سماج کے تلخ حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں بھی ماں کا حقیقی تصور ملتا ہے جو اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔انہوں نے ماں کے مشرقی تصور کو خوب کھل کر پیش کیا۔مشرق و مغرب میں اگرچہ تہذیبی رویوں کی وجہ سے ماں کے تصورات اور بود و باش میں فرق ضرور ہے تاہم ممتا کا تصور آفاقی ہے جس کو ان افسانہ نگاروں نے اس کے حقیقی روپ میں پیش کیا۔

حوالہ جات


۱۔ عبدالماجد دریاآبادی تبصرات ماجدی مرتب عبدالعلیم قدوائی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۱۹ء ص۹

۲ جلال و جمال ص ۱۴ نیا ادارہ لاہور ۱۹۴۶ء

۳۔ احمد ندیم قاسمی چند یادیں،عالمی ادب ندیم نمبر،وڈیو پرنٹ میڈیا کرشن نگر دہلی۔۱۹۹۶ء ص ۲۲ جلد نمبر ۱۴

۴۔ بحوالہ ،پاکستانی ادب کے معمار، احمد ندیم قاسمی شخصیت و فن ،اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد ۲۰۰۹ء،ص۵۹

۵۔ ترقی پسند ادب کے پچاس سالہ سفر / قمر رئیس و عاشورہ کاظمی / ایجوکیشنل بک ہاوس اشاعت دوم ۱۹۸۱ ص ۳۶۱

۶۔ خلیل الرحمٰن اعظمی اردو میں ترقی پسند تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۸۳

۷۔ اردو کا علامتی افسانہ ڈاکٹر مجید امجد مضمر، نیو لکتھیو آرٹ پریس دہلی ۱۹۹۰ء، ص۔ ۶۳

۸۔ حیات اللہ انصاری کی کہانی کائنات مرتبہ ڈاکٹر عشرت ناہید ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس نیو دہلی ۲۰۱۷ء ص ۱۵۴

۹۔ محولا بالا ص ۱۶۸

۱۰۔ محولا بالا ص ۲۵۹

۱۱۔ عبدالماجد دریا آبادی تبصرات ماجدی مرتب عبدالعلیم قدوائی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۱۹ء ص ۹

۱۲۔ حیات اللہ انصاری انوکھی مصیبت بھرے بازار میں حلقہ ارباب ادب یوپی لکھنو ۱۹۴۶ء ص ۹۰/ ۹۱

۱۳۔ عظیم الشان صدیقی حیات اللہ انصاری کی افسانہ نگاری ایوان اردو دہلی، جلد نمبر ۱۸، شمارہ ۲، جون ۲۰۱۴ء، ص ۱۷

۱۴۔ محمد خالد اختر ایک آدمی احمد شاہ نامی نظر ندیم صفحہ ۲۱(بحوالہ، پاکستانی ادب کے معمار، احمد ندیم قاسمی شخصیت و فن، ۲۰۰۹ اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد ص ۵۹)

۱۵۔ افسانوی مجموعہ سناٹا اساطیر پبلیشرز ۱۹۹۵، ص ۱۰

۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، آخری فیصلہ (نظم) مشمولہ۔۔۔۔۔۔۔ بحوالہ، پاکستانی ادب کے معمار، احمد ندیم قاسمی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد ۲۰۰۹ ص ۵۹

۱۷۔ ڈاکٹر سلیم اختر عورت جنس اور محبت و جذبات، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۹ء ص ۱۲۲

۱۸۔ ہاجرہ مسرور ندیم اور غم روزگار ندیم نامہ ملتان لاہور صفحہ ۱۴(بحوالہ، پاکستانی ادب کے معمار، احمد ندیم قاسمی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد ۲۰۰۹ء ص ۵۹

۱۹۔ افسانوی مجموعہ سناٹا اساطیر پبلشرز ۱۹۹۵ء صفحہ ۹۹

۲۰۔ محولا بالا ص، ۹۹

۲۱۔ محولا بالا ص ۱۰۹

۲۲۔ محولہ بالا ص ۱۰۹

۲۳۔ افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی آثار و افکار ،ایجو کیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی ڈاکٹر افشاں ملک جنوری ۲۰۱۷ء، ص۔۱۲۳۱

۲۴۔ کلیات احمد ندیم قاسمی مجموعہ در و دیوار افسانہ سپاہی بیٹا سنگ میل پبلشر ز لاہور ۲۰۰۹ صفحہ ۴۲

۲۵۔ محولا بالا ص ۴۵

۲۶۔ محولا بالا ص۔۴۷۔۔۔۔۔

۲۷۔ کپاس کا پھول، احمد ندیم قاسمی سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۸ ص ۱۷۶

۲۸۔ کپاس کا پھول، احمد ندیم قاسمی سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۸ ص ۱۶۱

۲۹۔ پاکستانی اردو ادب کی تاریخ ڈاکٹر انیس ناگی جمالیات لاہور۔۲۰۰۴ء ص ۱۹۹۸